eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

The Style of Mustansir Hussain Tarar's Religious Travelogues

مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کا اُسلوب

Muhammad Imran[1], Dr Abdul Sattar Niazi[2]
[1]PhD Scholar, [2]Assistant Professor, Department of Urdu, The Imperial College of Business Studies, Lahore
***Corresponding Email:** choudryimran71@gmail.com

Abstract
Mustansar Hussain Tarar holds a distinguished position in Urdu travel writing due to his unique narrative style, keen observation, and profound emotional sensitivity. His religious travelogues blend spiritual experience, historical consciousness, cultural awareness, and literary expression. Rather than merely recording geographical details and religious rituals, Tarar turns his journeys into deeply personal, reflective narratives. His style is marked by simplicity, fluency, vivid imagery, symbolism, emotional intensity, and occasional humour. He skillfully portrays sacred places, religious traditions, and historical associations while connecting them with his inner feelings and spiritual responses. His descriptions create a powerful sense of presence, allowing readers to experience the journey's sanctity and emotional atmosphere. Tarar's use of dialogue, autobiographical elements, poetic language, and cultural references adds depth and vitality to his narratives. His religious travelogues also reveal an inclusive and humanistic vision in which faith is closely linked with love, humility, tolerance, and respect for humanity. This study critically examines the stylistic features of Mustansar Hussain Tarar's religious travelogues and highlights his significant contribution to modern Urdu travel literature.

Keywords:
Mustansar Hussain Tarar, Religious Travelogues, Urdu Travel Writing, Narrative Style, Spiritual Experience, Literary Expression.

Received: 20-03-2026 **Revision:** 28-06-2026 **Accepted:** 10-08-2026 **Online:** 07-09-2026

This article is licensed under the Creative Commons Attribution (CC BY 4.0).
Free use, distribution, and reproduction permitted with proper citation of the original work.
© The Author(s).

سفر نامہ دراصل انسانی روح کے اس ازلی تجسس کا اظہار ہے جو اسے اپنے ماحول سے نکل کر نئے افق، نئی تہذیبوں اور اجنبی دیاروں کو کھوجنے پر اکساتا ہے۔ لغوی اعتبار سے "سفر نامہ" دو الفاظ "سفر" (ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا) اور "نامہ" (خط، تحریر یا

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
تصدیق
Vol. 8 No. 1 (2026)

کتاب) کا مرکب ہے، یعنی سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات، مشاہدات اور تاثرات کی تحریری دستاویز۔ ادبی اصطلاح میں سفر نامہ صرف راستوں، عمارتوں یا جغرافیائی حدود کی خشک تفصیل کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک سیاح کے باطنی احساسات، جمالیاتی حس اور بیرونی دنیا کے درمیان قائم ہونے والے تخلیقی اور نفسیاتی تعامل کی کاوش ہے۔ جب یہی سفر کسی دنیوی مقصد کے بجائے جذبۂ ایمانی اور روحانی وارفتگی کے تحت مقدس مقامات کی جانب اختیار کیا جائے تو یہ ایک سادہ سفری روداد سے بلند ہو کر "مذہبی سفر نامے" کی شکل اختیار کر لیتا ہے جہاں قلم جغرافیہ نگاری کے بجائے قلبی کیفیات کا ترجمان بن جاتا ہے۔

اردو سفر نامہ نگاری کی تاریخ میں مستنصر حسین تارڑ ایک ایسا بلاشبہ سنگِ میل ہیں جنہوں نے اس صنف کو جدید جذبی، جمالیاتی اور فکری ابعاد سے روشناس کرایا ہے۔ جہاں اُن کے عام اسفار میں حیرت، تخیّل اور مزاح کی رنگینی نمایاں ہے، وہاں اُن کے مذہبی سفر نامے (مثلاً "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات") ایک بالکل مختلف جذباتی اور اسلوبیاتی ساخت کے حامل ہیں۔ ان تحریروں میں محض جغرافیائی اور تاریخی تفاصیل درج نہیں کی گئیں، بلکہ ایک عاشقِ زار کی قلبی کیفیات، باطنی تحیر اور وارفتگیِ شوق کو قلم بند کیا گیا ہے۔ تارڑ کا مذہبی اسلوبِ نگارش تحیر، عقیدت اور فنکارانہ مشاہدے کا ایک ایسا نایاب امتزاج ہے جہاں مادی دنیا کی حدود ختم ہوتی ہیں اور روحانی تجربات کی تجلیات کا آغاز ہوتا ہے مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کا اسلوب بے حد متاثر کن ہے کہ قاری سفر نامہ پڑھتے ہوئے خود کو اس فضا اور ماحول میں محسوس کرتا ہے۔ مستنصر حسین تاڑ نے اس سفر نامے میں حج کی تفصیل بیان کی ہے کہ اس نے لاہور سے جدہ کی طرف کیسے سفر کیا وہ اس میں بیان کرتے ہیں کہ میں لاہور ایئرپورٹ پہنچا تو ہر سمت مذہبی ماحول نظر آتا ہے کچھ احباب نے تو احرام پہنے ہوئے تھے ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے کفن میں زندہ لاش لپیٹ رکھی ہے ہر ایک تلبیہ پڑھ رہا تھا اسے بھی مجبوراً پڑھنا پڑا اور یہ پڑھتے ہوئے جہاز میں سوار ہو گئے رات کا وقت تھا سفر سو کر ہوا لیکن محبت و عشق کی وجہ سے نیند کہاں تقریباً رات کے تین بجے وہ جدہ ایئرپورٹ پر پہنچے جہاز لینڈ کرنے سے پہلے مکہ شہر کے اوپر سے گزرا تو پائلٹ نے متوجہ کروایا کہ ہم مکہ شہر سے گزر رہے ہیں اس وقت تارڑ کی جو کیفیت تھی وہ یوں تھی:

> "میری پٹ پٹ کھلی آنکھیں مزید کھل گئیں میری نشست بائیں جانب ہی تھی اور کھڑکی کہ پہلو میں تھی کھڑکی کے ساتھ ناک چپکائے میں نیچے تکتا رہا آنکھیں جھپکنے سے گریز کرتا رہا کہ کہیں پپوٹوں کے بند ہو کر کھلنے کے دوران زمانے گزر جائیں میں کسی اور زمانے میں نہ چلا جاؤں۔۔۔ مکہ "(۱)

جب وہ فضا میں سے نیچے دیکھتا ہے تو دیکھتا ہی رہ جاتا ہے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں وہ کھڑکی کے ساتھ ناک چپک کر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اور آنکھیں اس منظر پر جمائے ہوئے ہیں حتیٰ کہ انہیں جھپکتا تک نہیں یہ منظر اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے یہ نہ ہو

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 8 No. 1 (2026)

کہ دوبارہ زندگی ساتھ نہ دے اور وہ اس منظر سے محروم ہو جائے وقت تھم جائے زمانے بیت جائیں دیار حرم میں گزرنے والے اک اک پل کو وہ آنکھوں کے کوزے میں قید کرنا چاہتا ہے یہ منظر ایک پل کا تھا یوں آیا اور گزر گیا ہوائی جہاز ایئرپورٹ پر لینڈ نگ کے لیے تیار ہو گیا اور وہ جدہ میں اتر گئے جدہ کے جغرافیہ پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ اس کی گرمی اور سمندر کے بارے آگاہ کرتا ہے کہ اس شہر میں سمندر ہے اور بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ وہ جدہ کے جغرافیہ کو ایک کہاوت کے سہارے بیان کرتا ہے:

"جدہ میں سمندر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور سمندر ہوتا ہے۔ جدہ میں گرمی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور گرمی ہوتی ہے"(۲)

اس کہاوت میں جدہ شہر کے جغرافیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جدہ شہر بحیرہ احمر کے ساحل پر واقع ہے یہ مغربی سعودی عرب کا اہم تجارتی اور ثقافتی مرکز ہے۔ اس علاقے میں ریت کی وجہ سے گرمی زیادہ ہوتی ہے اس شہر کی وجہِ شہرت سمندر اور گرمی ہے۔ جدہ شہر کو اماں حوا کا شہر بھی کہا جاتا ہے اور اس شہر میں سمندر اور گرمی ہوتی ہے۔ ہر طرف آپ کو گرمی عروج پر نظر آئے گی یہ علاقہ شدید گرمی کی وجہ سے مشہور ہے۔ جدہ شہر میں بہت زیادہ روشنیاں ہوتی ہیں اور اسے روشنیوں کا شہر بھی کہہ سکتے ہیں ۔حج کی ادائیگی کے لیے جدہ میں قیام کرنا کافی نہ تھا بلکہ اگلی منزل منیٰ تھی جہاں تین دن کا قیام تھا منیٰ خیموں کا شہر ہے سال میں ایک مرتبہ مخصوص ایام میں منیٰ شہر بستا ہے یہ شہر لاکھوں خیموں پر مشتمل ہے۔ یہاں سفید خیموں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آئے گا عازمین حج کا تین دن کا قیام یہیں پر ہوتا ہے اس بارے میں مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں۔

"تو جدہ سے منیٰ پہنچو گے وہاں لاکھوں خیمے ہوں گے اور ان میں سے ایک میں تم ہو گے وہاں تم تین دن گزارو گے۔"(۳)

حج صرف عرفات میں مکمل نہیں ہوتا بلکہ عازمین حج جب وطن واپس جاتے ہیں تو اپنے عزیز و اقارب اور احباب کو داستان عشق سناتے ہیں تو ان کا حج اور حج کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ کی جانب گامزن ہے۔ مکہ میں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کا بچپن ان گلیوں میں گزرا ہے۔ آپ ﷺ تولد سے لیکر جوانی تک اس شہر میں رہے بڑی حرمت والا شہر ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور خاتم النبیین ﷺ کا شہر ہے جس کی قسم خود خدا قرآن مجید میں کھاتا ہے اس کی فضیلت اور شان کو مستنصر حسین تارڑ یوں بیان کرتے ہیں:

"میرے یہ نصیب کہ میں آج شہروں کی ماں کی جانب رواں ہوں جس کی جانب پوری حیات میں ہمیشہ میرا منہ رہا۔ جہاں میرے نبی ﷺ تولد ہوئے۔ جہاں اللہ کا گھر ہے۔"(۴)

جدہ میں چند دن قیام کرنے کے بعد مصنف مکہ روانہ ہوئے اور حرم میں پہلی بار حاضری دی خانہ کعبہ کا دیدار کیا اور لوگوں کو اس کے گرد طواف کرتے دیکھا تو اس منظر کو یوں بیان کرتے ہیں:

"جیسے ایک سیاہ سیارے کے گرد ایک کہکشاں ان گنت ستاروں کے جھرمٹ اپنا اپنا وجود کھو کر ایک روشن ہالہ تخلیق کرتے ہیں اور یہ ہالہ بھی دھیرے دھیرے اس کے گرد بہہ رہا ہو۔"(۵)

اس نے پہلے کبھی حج یا عمرہ نہ کیا تھا۔اللہ کے گھر کو ہمیشہ ٹیلی ویژن اور موبائل فون پر دیکھا تھا۔پہلی دفعہ اس کا مضطرب دل چین پانے حرم میں داخل ہوا لیکن بے قابو دل کا اضطرب دیدار کعبہ کے شوق کے لیے اور بھی بڑھ گیا حجر اسود کو بوسہ دینا اللہ کے گھر کا طواف اور احرام باندھنا ایسے ہے جیسے دیوانے کو بے وجہ قرار آجائے۔ہر طرف لبیک کی صدائیں گونج رہی ہیں۔حجر اسود کہاں ہے اس کے لیے مصنف بڑا مضطرب تھا اور اچانک اسے بتایا گیا کہ یہ حجر اسود ہے:

"حجر اسود کہیں خانہ کعبہ کی ایک نکڑ میں نصب تھا۔یہاں بہاؤ کی لہریں پر جوش ہو جاتی تھیں تو ان کی اٹھان میں وہ کہیں روپوش تھا۔"(۶)

سیاہ غلاف میں ڈھکی مکعب نما عمارت جو مکمل نہیں ہے۔اس کی اونچائی اور چوڑائی میں فرق ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔مخلوق خدا اس کے گرد گھوم جارہی ہے ہر انسان کی زبان پر خالق حقیقی کا ورد ہے اور نظر کالے غلاف پر ٹیکی ہوئی ہے۔دنیا کے تمام جھمیلوں سے دور دیدار یار میں مگن گھومے جارہا ہے۔حتی کہ انسان کو یہ بھی پتا نہیں ہوتا کے اس کا کندھا صنف نازک کے ساتھ لگ رہا ہے یا مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ طواف میں گم ہے۔اس وقت عزیز و اقارب اور رشتے داروں کے لیے صرف دعائیں زبان پر جاری ہوتی ہیں مردوں کا ہجوم برپا ہوتا ہے لیکن کوئی منفی جذبہ قریب نہیں بھٹکتا انسان بلکل پر سکون ریت کے ذروں کی مانند ہوتے ہیں۔یہ وہ جگہ ہے جہاں انسان روتا ہے گڑ گڑاتا ہوا فریادیں کرتا ہے گناہوں کی بخشش کا طلب گار ہوتا ہے انسان یہاں پر دوبارہ جنم لیتا ہے۔اس کے تمام کالے دھبے غلاف کعبہ اپنے دامن میں چھپا لیتا ہے اور انسان کو سفید دودھ کی مانند صاف اور شفاف بنا دیتا ہے۔لوگ در کعبہ سے لپٹ کر زور و قطار رو رہے تھے:

"چوکھٹ سے چمٹے ہوئے لپٹے ہوئے اور لٹکے ہوئے لوگ الگ نہ ہوتے تھے۔لگتا تھا کہ وہ اسی حالت میں پیدا ہوئے تھے۔"(۷)

طواف سے انسان کے دامن میں لگا زنگ اتر جاتا ہے جیسے ہی طواف مکمل ہوتا ہے انسان اپنے آپ کو نو مولود بچے سے تشبیہ دیتا ہے۔اس کے تمام سیاہ دھبے دل سے اتر جاتے ہیں اسے صاف اور شفاف نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔اس کیفیت کے باوجود مستنصر حسین تارڑ نے ہر سمت ہونے والے حالات واقعات کو احسن طریقے سے قلم بند کیا اس نے اپنے قلم کے فن میں موتی جڑتے ہوئے ان تمام

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

مشاہدات اور حالات کو ہو بہو رقم کرنے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح مقام ابراہیم پر جب پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ زائرین کا ہجوم ہے ہر فرد واحد اس کو ہاتھ سے مس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کو اس وقت حسن ابدال میں پنجہ صاحب کا نشان یاد آتا ہے کہ وہ سکھ یاتریوں کی حالت اس کے مترادف ہوتی ہے۔مستنصر حسین تارڑ نے اشاروں اور کنایوں کا سہارا لیتے ہوئے یہ سفر نامہ تحریر کیا ہے ان کا نمایاں اسلوب اسے دوسرے قلم کاروں سے نمایاں کرتا ہے۔اس سفر نامے میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اپنے آپ کو موٹے ہرن سے تشبیہ دیتے ہیں اور لکھتے یہ موٹاپہ مجھے خانہ کعبہ کے لمس سے دور کر گیا ہے انہی خیالوں میں گم اوپر نظر اٹھی تو سامنے میزاب رحمت تھا یہ ایک قسم کا پرنالہ ہے جس سے خانہ کعبہ کی چھت سے بارش کا پانی نیچے آتا ہے اور زائرین اس پانی کو ضائع ہونے سے بچا لیتے ہیں ان کا دامن ابر رحمت کی برسات سے تر ہو جاتا ہے۔اسی طرح مصنف جس طرف بھی دیکھتا ہے اس کو عمارت حیرت میں ڈال دیتی ہے لگتا ایسے ہے کہ حج کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا سفر نامہ مکمل کرنے میں زیادہ دلچسپی تھی۔وہ پر شکوہ عمارت کی فن تعمیر کو بیان کرتا ہے اور ترکیوں کے فن کا معترف ہے۔اس کا مشاہدہ حج کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ عروج پر ہے اور اس مشاہدہ کو وہ اسی تحریر میں ڈھال رہا ہے وہ لکھتے ہیں کہ سفر کی نیت کرتے ہیں۔آپ کا درجہ بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے ہر سمت آپ کے حج کی بات پھیل جاتی ہے محبان کعبہ اور عاشقان رسول کا تانتا بندھ جاتا ہے دعاؤں اور سلام کی فرمائش عروج پر پہنچ جاتی ہے فرمائشوں کی فہرست طویل ہو جاتی ہے زندہ سے لے کر دار فانی سے کوچ کرنے والوں کے حق میں دعا کا سلسلہ جاری رہتا ہے عزیز و اقارب تو یک طرف ہم تو مخالفین کے لیے بھی دعا گو تھے۔تصویر کشی کے فن کو تارڑ نے بیان کیا کہ طواف کعبہ کے دوران کبھی نانی کبھی دادی والد اور کبھی والدہ کی تصویر میرے ساتھ گھوم رہی ہے اسے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام عزیز و اقارب اسے یہاں مل گئے ہیں۔اس بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"یہ صرف رب کا گھر نہ تھا بچھڑے ہوؤں سے ملاقات کا گھر بھی تھا۔"(۸)

وہ لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ کا دیدار اور سات پھیرے طواف کے انسان کی زندگی بدل دیتے ہیں۔دلوں پر لگا زنگ اترنا شروع ہو جاتا ہے محبت عقیدت شدت پکڑ لیتی ہے انسان بے اختیار روپڑتا ہے دھاڑیں مارتا ہے اور حال دل کہہ دیتا ہے۔اس کیفیت کے بعد تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ قلبی سکون ملتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ طواف تمام دعائیں اور التجائیں قبول ہو گئی ہیں۔وہاں پر کھوٹے سکے بھی کھرے ہو جاتے ہیں یہی تو اس کی رحمت ہے۔اس بارے میں مصنف لکھتے ہیں:

"ایک کھوٹا سکہ کیسے کھرا ہوتا اس کے لیے سات پھیروں کی شرط ہے۔طواف درکار ہے پہلا چکر کی تکمیل پر کچھ زنگ جو بننے کو ہوتے ہیں بھر جاتے ہیں۔دوسرے پھیرے میں آلائشیں جو زمانے نے اس سکے پر جما دی ہیں وہ اترنے لگتی ہے۔"(۹)

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

طواف کعبہ کے ہر پھیرے کے ساتھ کھوٹا زنگ آلود اور نکمہ سکہ کھرا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور آخری پھیرے کے بعد یہ ایسا بن جاتا ہے جیسے ابھی ٹیکسال میں ڈھل کر نکلا ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ رات کے وقت نیلے مہربان آسمان سے کچھ پرندے نمودار ہوئے جو سیاہ اور غول میں تھے۔ یہ مکہ کی پہاڑیوں میں سے نکل کر رات کے اس پہر کھانا کعبہ کا طواف کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے سینکڑوں میں ہو گئی چھوٹے گلائڈروں کی مانند تھے۔ وہ کبوتر بھی نہ تھے مصنف ان کی شناخت کرنے سے قاصر تھا سلجوق سے جب یہ دریافت کیا تو اس نے کہا کہ یہ ابابیلیں ہیں۔ اس بارے میں تارڑ لکھتے ہیں:

"ان کا ایک اور غول اتر احرم کے صحن میں اڑتارہا اور پھر غلاف کعبہ کو تقریباً چھوتا اوپر اٹھا اور دوسری منزل پر جہاں
ہم تھے ہمارے سروں پر سے خاموشی سے پرواز کرتا چکا چوند روشنیوں کی زد میں سے خارج ہو کر سیاہ آسمان میں سے
سیاہ ہوتا گم ہو گیا۔۔۔ابابیلیں۔"(۱۰)

مستنصر حسین تارڑ نے عام الفیل کا واقعہ اختصار کے ساتھ بڑے احسن طریقے سے بیان کیا اور تلمیح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی بات واضح کی اس سفر نامے میں اس نے بہت سے اشاروں اور کنایوں سے سہارا لیا ہے۔ اس طرح انھوں نے خانہ کعبہ میں ایک ترکن کو دیکھا جو سرخ لباس میں ملبوس قرآن مجید کی تلاوت میں محو تھی۔ جب وہ وہاں سے اٹھی تو اس نے جرابیں پہنی ہوئی تھیں وہ سفید جرابیں مٹی کے ذروں سے گندی ہو چکی تھیں دراصل ترکن خاتون کی بے پناہ محبت کا ثبوت تھا کہ وہ اکیلے گھر کی صفائی بڑے احسن طریقے سے سرانجام دے رہی تھی۔ وہ مٹی کا ایک ذرہ بھی فرش پر نہیں رہنے دینا چاہتی تھی اور اس کی جرابیں مٹی کو اپنے اندر جذب کر لیں اس بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"کیسا بے نصیب تھا کہ نہ خانہ خدا کی پہلی جھلک دیکھ کر رویا طواف کرتے دیوار سے لپٹتے بھی آنکھوں کی نمی باہر نہ آئی
اور جب ساون کی صورت میں برسی تو کہاں برسی چند چہروں کو دیکھ کر یا پھر ان گندی جرابوں کو دیکھ کر ان کے
نصیب کو دیکھ کر میں کیسا بے نصیب تھا۔"(۱۱)

مصنف نے والہانہ محبت کے ساتھ اپنے فن کو چار چاند لگاتے ہوئے ہر کیفیت اور مشاہدے کو قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ انسان کی وضع قطع سے لے کر شکرانے کے کلمات ادا کرنے تک دیوار کے ساتھ لپٹ کر دھاڑیں مارنے کے منظر کو اور نم آنکھوں پر خدا کا ترس کھانے تک تمام مناظر تحریر میں ڈھال دیئے۔ اس کے علاوہ وہ لکھتے ہیں دیوار کعبہ کو چمٹ جانا بوسہ دینا اور چادر کے ساتھ لپٹ جانا شرک کے مترادف ہے۔ یہ فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں اس گناہ کا حصہ نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ وہاں مرد وزن کا ہجوم کسی منفی رویے کو جنم دیتا ہر انسان کی نظر خانہ خدا پر ٹیکی ہے اور زبان سے التجائیں دعائیں اور حسرتیں بیان ہو رہی ہیں۔ ایام حج کے شروعات میں مصنف نے احرام باندھا لکھتے ہیں کہ احرام باندھنے کے بعد انسان کا نیا جنم ہوتا ہے۔ احرام موت کا استعارہ بھی ہے انسان سمجھتا ہے جیسے کفن پہن لیا ہو اور اب

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
تصدیق
Vol. 8 No. 1 (2026)

وصال پارہا ہے۔اس حقیقت کو وہ یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ کہاں کبھی گمان گزرا تھا کہ کبھی اپنے آپ کو کفناؤں گا۔ایک روز آئے گا ایسا کہ کفن میں خود اپنے آپ کو لپیٹوں گا اور بارضا و رغبت لپیٹوں گا۔"(۱۲)

مستنصر حسین تارڑ کا عمدہ اسلوب اور جدید طرز بیان قاری کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔وہ اس سفر نامے میں استعاروں اور تشبیہات سے سہارا لے کر بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔یہاں پر احرام کے بارے میں بات کرتے ہوئے اسے کفن کی مانند قرار دیتا ہے دونوں سفید رنگ کے ہوتے ہیں دونوں کی آپس کی مشابہت کا ذکر کیا ہے۔مصنف منیٰ کی بات کرتے ہوئے اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک صحرا ہے بے آباد اور ویران لیکن جب آباد ہوتا ہے تو مکہ اور مدینہ سے زیادہ ہجوم ہوتا ہے۔منیٰ کو خیموں کی بستی بھی کہتے ہیں اس میں خیمے لگے نظر آئیں گے اور اس کے علاوہ تپتی ریت سوکھتے ہونٹ اور چمکدار سورج اس کا ورثا ہیں۔یہ کرنیں جب ریت پر پڑتی ہیں تو سنہری رنگ ہر طرف بکھر جاتا ہے اس کے علاوہ برف کی سفیدی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہاں احرام باندھے لاکھوں لوگ نظر آئیں گے۔

"یہ تو تیرے حصے کی کنکریاں تھیں جو مجھے لگ رہی تھی۔کچھ لوگ مجھے ہی شیطان جان کر مجھ پر کنکریاں برسا رہے تھے۔"(۱۳)

جب تارڑ کو کنکریاں لگتی ہیں تو اس کے اندر سے اس کا ضمیر اسے جھنجوڑتا ہے اور ندامت گھیر لیتی ہے کہ اتنے گناہ کیے ہیں اور اس کا قصور وار شیطان کو ٹھہرا رہے ہو تم خود بھی اس میں برابر کے شریک ہو۔شیطان کے حصے کی کنکریاں اسے لگی تو وہ سمجھنے لگا کہ لوگ اسے شیطان تو نہیں سمجھ رہے یا شیطان نے بتا دیا کہ یہ بھی شریک جرم تھا ۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد آپ ﷺ کا دوسرا گھر غارِ حرا تھا آپ ﷺ رمضان کے اکثر روزے وہاں رکھتے تھے ان تمام باتوں سے دل میں اضطراب پیدا ہوا اور ہم مشتاق ہوئے جبل ثور کی غار دیکھنے کے لیے ہم چلے گئے۔دشوار گزار پہاڑوں میں سے کبھی رکتے اور کبھی چل دیے غار تک پہنچنے سے پہلے کئی ایسے لوگ ملے جو سیمنٹ اور ریت سے سیڑھیاں بنا رہے تھے تاکہ چڑھنے والوں کو آسانی ہو بہت طویل سفر طے کرنے کے بعد جب غار کے دانے تک پہنچے تو اندر داخل نہ ہو سکے لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ اندر داخل ہونا محال تھا۔غار کے باہر نوافل ادا کیے اور واپس چل دیے۔واپس آنے سے پہلے ایک نیت کی تھی اسے یوں بیان کیا ہے:

"کہ میں دوبارہ آؤں گا اگر تو نے چاہا ایسے ایام میں جب یہاں ہجوم نہ ہوں گے اور غار حرا کے اندر جاؤں گا ان پتھروں کو ہاتھ لگاؤں گا جنھیں اُنھوں نے ہاتھ لگائے تھے۔جھک کر داخل ہوں گا تو اس پتھر کو تھام کر جیسے وہ تھام کر اندر جاتے تھے۔میرے حصے کی جو مہک ہو گی اسے اپنے بدن میں اتاروں گا۔آؤں گا۔"(۱۴)

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

مصنف کی یہ خواہش تھی کہ وہ غار حرا میں داخل ہو لیکن یہ دل ہی میں رہ گئی۔ ٹھنڈی آہیں بھرتے واپس مڑے اور مکہ کا رخ کیا جہاں اس نے طواف وداع کرنا تھا۔ غار حرا سے واپسی کے بعد مصنف مکہ روانہ ہوتے ہیں اور وہاں جا کر طوافِ وداع کرتے ہیں طواف کرتے وقت اس کے دل سے ایک ہی دعا نکل رہی ہے کہ مجھے دوبارہ یہاں بلانا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور اگلے سال دوبارہ حاضری نصیب ہوئی۔ اب مصنف غار حرا کی جانب گامزن تھا۔ جس رات کا انتظار تھا وہ آچکی تھی ۶۹ سالہ مستنصر حسین کی دیرینہ خواہش پوری ہو رہی تھی اس خواہش کی کوئی حد نہ تھی۔ ہر حال میں جانے اور رات گزارنے کے لیے بضد تھے۔ جب مصنف اوپر چڑھ رہا تھا تو اس وقت تمام لوگ نیچے اتر رہے تھے جو کہ وقت شام کے قریب تھا۔ بہت سے لوگ مل رہے تھے اور اپنی رائے سے آگاہ کر رہے تھے۔ لیکن ان تمام باتوں کا اثر نہیں ہو رہا تھا بس منزل تک پہنچنا تھا۔ مستنصر حسین عمر بھر ایک سیاح رہے ہیں اور سیاح ہمیشہ اپنے ساتھ سفری سامان اور رک سیک رکھتے ہیں۔ جس میں ضرورت کی تمام اشیا موجود ہوتی ہیں یہ تمام اشیا مصنف کے پاس موجود تھیں۔ اب مصنف غار حرا تک پہنچ چکا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سچے عاشق رسول ﷺ ہیں۔ ان کی اس جان جوکھوں والی کاوش سے والہانہ محبت ٹپکتی ہے۔ انسان کی سچی لگن اسے منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ خود تو بوڑھا ہو چکا ہے لیکن حوصلہ جوان ہے اب مستنصر غار کے دہانے سے اندر داخل ہوتا ہے وہ سرنگ کی دیوار اور چٹان کے درمیان پھنس جاتا ہے اور بڑی سعی کے بعد آگے نکل جاتا ہے۔ آگے ایک صحن میں پہنچ جاتا ہے۔ غار حرا کا مختصر نقشہ بیان کیا جائے تو یہ ایک تنگ سرنگ کی طرح ہے۔ اسے باقاعدہ طور پر سرنگ نہیں کہہ سکتے اس کا فرش بھی نہیں ہے یہ کئی سال پہلے جغرافیائی تبدیلی کی وجہ سے بنی ۔ مصنف غار میں داخل ہو جاتا ہے اور صحن دیکھنے کے بعد اپنا رک سیک سے مصلیٰ نکال کر نفل ادا کرتا ہے۔ نفل ادا کرتے وقت مصنف کی مسلسل مسکراہٹ ختم ہی نہیں ہوتی اس مسکراہٹ کا سبب کیا ہے۔ اس بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

> "اس لیے کہ کہاں وہ ایام تھے۔۔حج کا دن تھا۔ جب میں اس گھر کی چھت پر بیٹھا ان پر حسرت کی نظر کرتا تھا جو صحن میں بھرے پڑے تھے اور اس ایک فرد سے حسد کرتا راکھ ہوتا تھا جو غار کے اندر ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا تھا اور کہاں یہ شب تھی کہ میں تنہا تھا انجمن میں۔"(۱۵)

مصنف کی دیرینہ خواہش شرمندہ تعبیر ہوئی حسرت پایا تکمیل تک پہنچی دعائیں رنگ لائیں اور اب تن تنہا کھڑا غار حرا میں عبادت کر رہا ہے۔ ان کے ساتھ ایک مقامی مزدور نیاز بھی تھا جو صحن میں موجود تھا نوافل ادا کرنے کے بعد رات کافی ہو چکی تھی اب وہ آرام کرنا چاہتا تھا۔ مستنصر حسین اکیلے سونے سے گھبرا رہا تھا تو اُنھوں نے نیاز کو اپنے ساتھ سونے کا کہا غار میں گرمی بہت تھی۔ لیکن پھر بھی اُنھوں نے رات وہیں گزاری۔ جبل نور کی گھاٹیوں میں بہت سے بندر، بن مانس اور گوریلے بھی پائے جاتے ہیں۔ غار حرا کے ارد گرد جنگلی حیات پائے جاتے ہیں متعدد بکریاں بھی دیکھی گئی ہیں رات کی تاریکی گہری ہو چکی تھی۔ مصنف نے اب غار کا معائنہ کرنا شروع کر دیا اس طرح کا

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

معائنہ پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا۔ کرتا بھی کیسے ہر فرد واحد یہاں آتا نوافل ادا کرتا اور اپنی منزل کی جانب چل دیتا۔ چوں کہ مصنف یہاں رات گزار رہا تھا تو اس نے باریک بینی سے مشاہدہ کیا غار کی چھت میں موجود شگافوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی۔ جب اس کا معائنہ ختم ہوا تو اس کے دماغ میں بہت سے خیالات نے جنم لیا ان کا خیال تھا کہ غار میں بیٹھ کر ستاروں کو فلک پر ٹمٹماتے دیکھوں گا لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اسے یہاں کچھ ہو جائے تو کیا ہو گا۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''یک دم ایک اور وسوسے نے آن گھیرا۔۔ تم ڈر سے تو آزاد ہو گئے ہو موت سے تو نہیں۔۔ اگر یہاں موت آگئی تو پھر کیا ہو گا۔۔ اس عمر میں چل چلاؤ کا چلن ہو جاتا ہے۔۔ کچھ پتہ نہیں کب چھٹی آجائے۔"(۱۶)

مستنصر حسین تارڑ اپنے ساتھ گھڑی اور کیمرہ جان بوجھ کر نہیں لے گئے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی تو وقت کا تعین کرنے کے لیے کوئی پیمانہ نہیں تھا ہر طرف تاریکی اور سناٹا تھا غار کے اندر تقریباً ہر جگہ کچھ نہ کچھ لکھا تھا یہ خطاطی پاکستانی قوم کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ کروڑوں لوگوں نے اس غار میں وقت گزارا اور ان کے لمس موجود تھے لیکن میرے ہاتھ کو صرف آپ ہی تھام لیتے تھے۔ ہر طرف حضور کے لمس کو محسوس کر رہا تھا حضور اکرم ﷺ ماہ رمضان اس غار میں گزارتے تھے۔ اس بات سے واضح ہے کہ حضور کا لمس ساری غار میں موجود ہے اور آپ نے ہر جگہ عبادت کی تھی۔ مصنف بھی عبادت کرتا ہوا اس خیال کو ذہن میں رکھتا ہے اور ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر سجی ہے۔ اس کے بعد وقتِ سحر ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "کچھ دیر بعد سحر نے اس صحن میں اترنا تھا اور یہی وہ آخری منظر تھا۔ جس کو دیکھنے کی مجھ میں چاہت تھی کہ غار میں بیٹھے ہوئے بابا جب شب بھر کے گیان دھیان کے بعد ذہن کی تاریکی میں ہولے ہولے سفیدی گھلتے دیکھتے ہوں گے تو کیسے دیکھتے ہوں گے۔ ویسے میں دیکھوں ان کی آنکھوں سے دیکھوں۔"(۱۷)

اس سفر نامے میں تاریخ کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے وہ حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین کے دور میں چلے جاتے ہیں۔ اس کی کیفیت ایسی ہے جیسے وہ ۱۴۰۰ سال پہلے چلا گیا اس کے سامنے وہی منظر آرہا ہے جب حضور عبادت کے لیے غار حرا تشریف لے جاتے تھے۔ اب وہ اس خیالی دنیا سے نکلتا ہے اور غار سے باہر آرہا ہے۔ آخری لمحات وقت جدائی اور پھر الوداع دل نہ چاہتے ہوئے بھی جدا ہونا تھا۔ جدائی کی تڑپ اور خلش کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "دعا کے بعد میں نے آس پاس کے پتھروں پر ہاتھ پھیرے۔ انہیں الوداع کہا جیسے کسی مکان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے سے پیشتر اس کے مکین اسے حسرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جاتے ہوئے دیوار و در کو چھوتے ہیں۔ ان پر ہاتھ پھیرتے ہیں جیسے بے گھر کیے جانے والے آخری بار اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔"(۱۸)

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

بچھڑنے کی گھڑی ہے۔ وہ واپسی کے لیے تیار ہے۔ وہ اپنے آس پاس کے پتھروں پر اپنا ہاتھ پھیرتا ہے اور لمس رسول ﷺ کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر انہیں الوداع کہتا ہے۔ جیسے گھر کے مکین اپنے گھر سے رخصت ہوتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور باہر نکل جاتے ہیں۔ سورج اپنی آب وتاب سے چمکنے کے لیے تیار ہے۔ مستنصر کو اب دلی سکون ہے کیوں کہ اس کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی ہے۔ اب ان کے دل کو تشفی مل گئی ہے جب وہ غار سے باہر نکل رہے تھے تو زائرین کا ہجوم اکٹھا ہونا شروع ہو گیا زائرین جب انہیں دیکھتے تو حیران ہو کر سوال کرتے کہ اپ اتنی جلدی کیسے پہنچ گئے۔ جوابًا وہ کہتے کہ اُنھوں نے رات یہاں گزاری ہے تو لوگ عقیدت سے ان کے ہاتھ چومتے تھے۔ ان سے کئی سوالات کیے گئے لیکن جوابًا وہ مسکراتے رہے۔ غار کا جائزہ باریک بینی سے صرف ایک عاشق رسول ﷺ ہی لے سکتا ہے غار حرا کی رات دراصل ایک خواہش اور آرزو بن کر سفر نامہ نگار کے دل میں تڑپ پیدا کرتی ہے اور اسے لمس رسول ﷺ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے بے قرار کرتی ہے۔ جہاں رسالت مآب گوشہ نشین ہو کر رب کائنات سے راز و نیاز میں محو رہتے تھے اب اس کی تڑپ کو سکون مل گیا ہے اس کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی ہے۔

یہ سفر نامہ ماورائی روحانی اور مقامات مقدسہ کے تقدس بھری داستان نہیں بلکہ عام انسان کے ذاتی تجربہ کو پیش کیا گیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے عالمانہ حکیم مبالغہ آرائی سے پرہیز کی ہے۔ یہ سیدھے سادھے عشق سے سرشار مسلمان کا سفر ہے۔ یہ ایک عاشق رسول ﷺ کی کہانی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے نسبت رسول ﷺ سے جڑے روحانی طرفہ کے حامل مقامات کی سفری داستان تحریر کی ہے۔ اس سفر نامے میں وہ خضوع اور تخلیہ کی کیفیات میں اپنے رب کے سامنے اشکوں کی برسات میں حال دل سناتا ہے۔ وہ اپنے دکھڑے خالقِ حقیقی کے سامنے رکھتا ہے۔ اب وہ مطمئن اور خوش ہے وہ جبل سے نیچے اتر رہا ہے اسے کوئی تھکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی ایک دلی راحت اس کو حوصلہ دے رہی ہے وہ بڑا پر سکون ہو چکا تھا۔ مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر نامے اردو کی سفری ادبی تاریخ میں محض ایک ضمیمہ نہیں، بلکہ اس صنف کی معنوی اور فنی سمت کو تبدیل کرنے والی ایک مؤثر تحریک کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے مناسکِ حج، زیارات اور جغرافیائی احوال پر مشتمل روایتی بیانیے کے سخت، نصابی اور یکسانیت سے بھرپور سانچوں کو توڑ کر سفر نامہ نگاری کو انسانی روح کی واردات بنا دیا۔ دیگر سفر نامہ نگاروں کے ہاں جہاں تمام تر توجہ خارجی تفصیلات، سفر کی صعوبتوں اور تاریخی حقائق کو مرتب کرنے پر مرکوز رہتی ہے، وہاں تارڑ کا اصل محور زائر کا باطنی سفر، اس کا جذباتی تلاطم، خود احتسابی اور مقدس فضاؤں کے ساتھ اس کا جمالیاتی اور روحانی تعامل ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ مستنصر حسین تارڑ نے مذہبی اسفار کو صرف جغرافیائی مسافتوں یا ظاہری زیارات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ انہیں قلبی تطہیر، خود شناسی اور حقیقتِ مطلق کے ادراک کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان کا مذہبی اسلوبِ نگارش ایک ایسے جدید، باخبر اور حسّاس قاری کی تسکین کرتا ہے جو عقیدت کے ساتھ ساتھ فکری و جمالیاتی بالیدگی کا طالب ہے۔ اُنھوں نے یہ ثابت کیا کہ مذہبی جذبہ اور اعلیٰ ادبی اسلوب

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

تصدیق

Vol. 8 No. 1 (2026)

ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے، بلکہ جب یکجا ہوتے ہیں تو "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" جیسے بے مثل شاہکار جنم لیتے ہیں۔ یہی منفرد اور دل نشین اسلوبیاتی آمیزش ان تحریروں کو لازوال، بااثر اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ادبی سرمایہ بناتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۳ء، ص ۲۱۲
۲۔ ایضاً، ص:۱۹
۳۔ ایضاً، ص:۳۷
۴۔ ایضاً، ص:۴۸
۵۔ ایضاً، ص:۵۶۔۵۷
۶۔ ایضاً، ص:۶۰
۷۔ ایضاً، ص:۶۳
۸۔ ایضاً، ص:۷۱
۹۔ ایضاً، ص:۹۱
۱۰۔ ایضاً، ص:۹۷
۱۱۔ ایضاً، ص:۱۰۰
۱۲۔ ایضاً، ص:۱۰۹
۱۳۔ ایضاً، ص:۲۰۵
۱۴۔ ایضاً، ص:۴۵۰
۱۵۔ مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۱۳۸
۱۶۔ ایضاً، ص:۱۹۵
۱۷۔ ایضاً، ص:۲۸۱
۱۸۔ ایضاً، ص:۲۸۶

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

Vol. 8 No. 1 (2026)

Romanised References

1. Mustansar Ḥusain Ṭāṛar, *Manh val Ka'be Sharīf* (Lāhaur: Sang-e Mīl Publications, 2023), 212.
2. Ibid., 19.
3. Ibid., 37.
4. Ibid., 48.
5. Ibid., 56–57.
6. Ibid., 60.
7. Ibid., 63.
8. Ibid., 71.
9. Ibid., 91.
10. Ibid., 97.
11. Ibid., 100.
12. Ibid., 109.
13. Ibid., 205.
14. Ibid., 450.
15. Mustansar Ḥusain Ṭāṛar, *Ghār Ḥirā meṅ aik Rāt* (Lāhaur: Sang-e Mīl Publications, 2018), 138.
16. Ibid., 195.
17. Ibid., 281.
18. Ibid., 286.